OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 8, Issue 4 (October-December 2025)

ابلاغ کی ارتقائی تاریخ: سیرتِ طیبہ کی روشنی میں ایک مطالعہ

The Evolutionary History of Communication: A Study in the Light of Seerat-e-Tayyeba

Dr Muhammad Zohaib Hanif
Lead Specialist, Aga Khan University Examination Board
Cell: 03032282647
Email: zaibizohaib26@gmail.com

DOI: https://doi.org/10.53762/alqamar.08.04.u12

Abstract

This study offers a comprehensive historical and analytical examination of the evolution of communication from ancient times to the contemporary digital age, interpreted through religious, historical, and theoretical perspectives, with particular emphasis on the Seerat-e-Tayyeba. It argues that communication is not a purely modern construct but an intrinsic aspect of human existence, rooted in early human consciousness and divine revelation. Tracing the progression from non-verbal gestures, speech, and writing to printing, electronic media, and artificial intelligence, the article situates modern communication technologies within a broader civilizational continuum. Special attention is given to the prophetic model of communication demonstrated by Prophet Muhammad ﷺ, highlighting principles such as truthfulness, wisdom, ethical responsibility, audience awareness, and contextual relevance. By integrating prehistoric, classical, Islamic, and modern phases of communication, the study presents Seerat-e-Tayyeba as a timeless and holistic communicative framework capable of guiding contemporary media practices amid rapid technological.

CC BY

Key words: History of Communication, Seerat-e-Tayyeba, Divine Revelation, Prehistoric and Classical Communication, Islamic Communication Ethics

تعارف

جدید مواصلاتی انقلاب اور ذرائع ابلاغ کی ترقی نے دنیا کو عالمی گاؤں (Global Village) ضرور بنادیا ہے مگر یہ فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ ''مواصلاتی نظام کی تاریخ کی قدامت کم و بیش اتنی ہی ہے جتنی کہ خود وجودِ انسانی کی تاریخ''[1]۔ جب انسان نے شعور کی آنکھ کھولی، تو اپنے خیالات، احساسات اور مشاہدات دوسروں تک پہنچانے کی ضرورت بھی محسوس کی۔ مذہبی تعلیمات کے مطابق ابلاغ کی ابتدا حضرت آدمؑ سے ہی ہو گئی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:'' اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً[2] ''ترجمہ، 'میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔' یہ ابلاغ کی پہلی صورت تھی یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پہلے انسان کی ہدایت کے لیے اس کو پیغام پہنچایا، پھر سلسلہ ٔابلاغ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام تک اور اُن کے ذریعے انسانوں تک پہنچایا تھا، یہاں تک کہ رسالت مآب ﷺ نے اللہ کا پیغام بذریعہ ٔقرآن لوگوں تک پہنچایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا پیغام انسانوں تک پہنچانا ہی اصل ابلاغ تھا، جو کہ انبیا علیہم السلام نے پورا کیا۔

کہا جاتا ہے کہ ابلاغ کی ابتدا حرکات و سکنات سے ہوئی، پھر زبان وجود میں آئی، یہاں تک کہ ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے ابلاغ آج ڈیجیٹل میڈیا تک پہنچ چکا ہے۔ مذہبی روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ابلاغ کی ابتدا 'زبان' سے ہی ہوئی، جیسا کہ سیدنا حضرت آدمؑ اور فرشتوں سے اللہ تعالیٰ کا مکالمہ، وغیرہ۔ یہ بحث ہمیشہ سے چلی آرہی ہے ابتدا زبان سے ہوئی یا حرکات و سکنات سے، کیوں کہ ان دونوں فکروں کے حاملین کے پاس تحقیقی مواد موجود ہے۔ آیئے! بلاغ کی تاریخ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اصولوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

1۔ قبل از تاریخ(Prehistoric Communication)

دینی روایات سے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے ابلاغ کی ابتدا بذریعہ وحی ہوئی۔ جیسا کہ الہامی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جب دنیا میں بھیجا، تو اس میں نطق کی صلاحیت موجود تھی۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے: قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًاۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ[3]۔ ہم نے فرمایا تم سب جنت سے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا اُسے نہ کوئی اندیشہ نہ کچھ غم۔ یعنی اب دنیا میں رہنا ہے، تو اللہ کی ہدایت کے تابع رہتے ہوئے رہنا ہے۔ آیتِ مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان دنیا میں نطق کی صلاحیت کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے زبان کو 'نشانی[4]' بھی کہا ہے۔ معروف محقق اور ماہرِ لسانیات خلیل صدیقی نے اپنی کتاب 'زبان کیا ہے' میں مختلف ماہرینِ لسانیات نے زبان کی جو تعریفیں کی ہیں، انھیں قلم بند کیا ہے، ان میں سے چند یہ ہیں: ''زبان علامتوں کا ایک نظام ہے جو انسانوں کے درمیان ابلاغ کا ذریعہ ہوتا ہے یا بن سکتا ہے[5]''۔ ''زبان محدود نطقی آوازوں کا مجموعہ ہے جس میں اظہار کی غرض سے تنظیم پیدا کی جاتی ہے[6]''۔ ''زبان ان علامتوں کا ایک ڈھانچہ ہے جن کی مدد سے خیالات اور حقائق کو بیان کیا جاتا ہے[7]''۔ ''زبان خیالات اور افکار کا اظہار کرنے والی علامتوں کا نظام ہے[8]''۔ ''زبان ابلاغ کی مخصوص صورت ہے، جو متکلم، سامع اور مافیہ یا مواد کی بدولت وجود میں آتی ہے۔''[9] یعنی ابلاغ کا پہلا ذریعہ ہی زبان تھا۔ مذہبی

لٹریچر کے مطابق تو انسان دنیا میں زبان کے ساتھ آیا تھا، لیکن دوسری طرف ماہرینِ لسانیات اسے ارتقائی دور کے ذریعے زبان کے وجود میں آنے کی بات کرتے ہیں۔ معروف ماہرِ لسانیات ڈیوڈ کرسٹل اپنی کتاب A Little Book of Language میں زبان کی ابتدا کے بارے میں بطورِ خاص یورپ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "The human-like beings that were living in Europe between 100,000 and 30,000 BC could have had some kind of primitive speech.[10]"

یعنی کہ یورپ میں ایک لاکھ قبل مسیح سے تیس ہزار قبل مسیح کے درمیان رہنے والی انسان نما مخلوقات کے پاس کسی نہ کسی قسم کی ابتدائی زبان ہو سکتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

> "None of the actual brains survive, of course, so it's not possible to say any more than that."[11]

یعنی کہ یقیناً ان مخلوقات کے اصل دماغ محفوظ نہیں رہے، اس لیے اس سے زیادہ یقین کے ساتھ کچھ کہنا ممکن نہیں۔ David Crystal کے مطابق زبان کی ابتدا کے بارے میں کوئی قطعی دعویٰ ممکن نہیں، البتہ ارتقائی شواہد کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابتدا میں انسانوں کے درمیان کسی نہ کسی درجے کی زبان موجود ہو سکتی تھی۔ بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق ''زبان پانچ لاکھ سال قدیم بھی ہو سکتی ہے[12]''۔ یعنی زبانی ابلاغ کی ابتدا پانچ لاکھ سال قدیم ہے۔

اسی طرح ابلاغ کا دوسرا میڈیم تحریر کے حوالے سے اہلِ علم نے تحریر کی مختلف تعریفیں کی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ ''وہ جذبات یا خیالات کا ایک طریقہ ہے جس کا تعلق قوتِ باصرہ سے ہے اور وہ ایک قائم رہنے والی چیز ہے۔[13]'' زبان کے بعد انسان کی سب سے بڑی ایجاد تحریر ہے۔ ابتدا میں تحریری زبان کا وجود نہیں تھا۔ لوگوں نے ابلاغ کے مختلف طریقے نکالے ہوئے تھے، جیسے کہ ڈھول، روشنی، دھواں وغیرہ۔ مثلاً: آگ جلا کر لوگوں کو خطرے سے آگاہ کیا جاتا تھا۔ تاہم، بعد میں انسان نے ترقی کی اور ڈھول، روشنی، دھویں سے نکل کر اشاروں اور تصویری علامتوں پر آ گیا۔ دیواروں پر بنائے گئے تصویری نقوش (pictographs) اور علامات، جیسے کہ غاروں میں موجود تصویریں، اس ابتدائی دور کے تحریری ابلاغی ذرائع تھے۔ یہ تصویریں جذبات، خطرات، یا کہانیوں کی علامت ہوتی تھیں۔ یاد رہے کہ ''تحریر کا مقصود مصوری کا کمال دکھانا نہیں ہوتا بلکہ کسی خیال کا ناظر کے دماغ میں منتقل کرنا ہوتا ہے۔[14]'' پھر یہی تصویریں ایک پوری کہانی بن جاتی ہیں۔ اگر اس کا عملی مشاہدہ کرنا ہو، تو اس وقت اہرامِ مصر میں موجود تصویری نقوش کو دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان نے اب تک جتنی بھی ترقیاں کی ہیں، ان میں بیش بہا کارنامہ 'زبان اور تحریر' کا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ تقریباً 3000 قبلِ مسیح میں انسان نے تحریری زبان ایجاد کی۔ میسوپوٹیمیا میں میخنی (cuneiform)[15]، مصر میں ہیروگلیفکس (hieroglyphics)، اور وادیٔ سندھ میں تصویری نقوش (pictographs) نے تحریری ابلاغ کی بنیاد رکھی۔ مصر کے حوالے سے 'تاریخ فرعون' کے مصنف خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں:

''سب جانتے ہیں کہ مصر کی سب سے پرانی لکھائی کا نام ہیرو گلیفی ہے۔ اس لکھائی میں حروف نہیں تھے بلکہ ان کی جگہ چیزوں کی شکلیں بنا کر مطلب ادا کیا جاتا تھا۔۔۔''[16]

تحقیق کے مطابق ''انسان نے بولنے اور لکھنے سے پہلے تصویریں بنانا سیکھا۔۔۔ چنانچہ قدیم تہذیبوں کے جتنے آثار دریافت ہوئے ہیں اور ان میں جو 'تحریریں' دریافت ہوئی ہیں، وہ سب تصویروں پر مبنی تحریریں ہیں۔ ان میں ہڑپہ، موہنجو دڑو کی تہذیبیں شامل ہیں۔''[17] یہ دور ابلاغ میں ایک انقلابی موڑ تھا کیوں کہ اب علم و معلومات کو محفوظ کرنے کا کم از کم ایک طریقہ ضرور موجود تھا اور ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا۔ اس ضمن میں معروف محقق، اور صاحبِ ابلاغیات، ڈاکٹر محمد شاہد حسین لکھتے ہیں:

''آثارِ قدیمہ کے ماہرین (Archeologist) آرکیالوجسٹ کا خیال ہے کہ عہدِ سنگ کے انسانوں کے پاس بھی بنیادی حس اور قوتِ شامہ، قوتِ سامعہ، قوتِ لامسہ، قوتِ باصرہ اور قوتِ ذائقہ موجود تھی۔۔۔ اس کے دو لاکھ سال بعد یعنی ایک لاکھ سال قبلِ مسیح سے پہلے ایک ایسی غیر ترقی یافتہ زبان (Embryonic) کی ابتدا ہوئی جس کے ذریعے ترسیل کی جا سکتی تھی۔۔۔ ہم یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ انسان نے بات کرنا کب شروع کیا۔۔۔ زبانیں دو ہوتی ہیں، ایک وہ جس میں الفاظ سے کام لیا جاتا ہے اور دوسری وہ جس میں چشم و ابرو اور جسم کے اشاروں سے۔۔۔ لہٰذا زمانۂ قدیم میں ہی انسان نے ضروری باتوں کی یادداشت محفوظ رکھنے اور ان کو دوسروں تک پہنچانے کی ضرورت کے تحت تحریر ایجاد کی۔۔۔''[18]

یہ اشارے، تصاویر بعد میں ایک مکمل تحریر بن گئے۔ ابتدا میں پتھروں کی سلوں، اینٹوں پر نوک دار آلات سے لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ بعد میں چمڑا، کاغذ وغیرہ ایجاد ہوئے، تو نوک دار آلہ قلم کی صورت اختیار کر گیا۔ شروع میں ''تصویروں کو پڑھا نہیں جاتا تھا بلکہ دیکھ کر سمجھا جاتا تھا۔ یہ تصویریں دو طرح کی ہوتی تھیں۔ (i) حقیقی تعبیرات (primary sign) جیسے سورج چاند بنا کر سورج چاند مراد لینا۔ (ii) مجازی تعبیرات (Associative Sign) جیسے سورج بنا کر دن، سال یا سونا مراد لینا اور چاند بنا کر رات، مہینہ یا چاندنی۔۔۔ تصویری خط کے ارتقا میں ایک منزل ایسی بھی آتی ہے جب تصویر کے اصل مفہوم کو نظر انداز کر کے اُس کے ہم آواز کسی دوسرے لفظ کا مفہوم مراد لیا جاتا ہے۔۔۔ مثلاً، انگریزی کا لفظ (بی لیف) بہ معنی عقیدہ، اس کے لیے شہد کی مکھی (بی) اور پتی (لیف) کی تصویر بنائیں گے۔۔۔''[19] آثارِ قدیمہ نے مختلف تصویری تحریروں کو دریافت کیا، جن میں وادیٔ سندھ کا خط، چین، جاپان، حتّی اور آرامی خط شامل تھے۔ بہرِ حال یہ تحریر کے حوالے سے ابلاغ کا ابتدائی دور تھا جس میں انسان نے تحریر کی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے تصویری صورت میں تحریر کے فن کو پروان چڑھایا۔

2۔ کلاسیکی دور[20] (Classical Period)

اس دور میں باقاعدہ لکھائی کی ابتدا ہوگئی۔ اظہار کے لیے پہلے تصاویر بنائی جاتی تھیں، اب اس دور میں باقاعدہ لکھائی وجود میں آگئی۔ یونان، روم اور ہندوستان میں خطابت، خط نویسی اور فلسفیانہ مکالمے کو ابلاغ کا ذریعہ بنایا گیا۔ Steven Roger اپنی کتاب A History of Writing میں تحریر کے اس انقلابی موڑ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "No-one 'invented' writing. Perhaps no-one independently ever 're-invented' writing, either, be it in China or Mesoamerica. All writing systems appear to be descendants of earlier prototypes or systems, whose idea of graphically depicting human speech, scheme for accomplishing this, and/or graphic signs used in this process were borrowed and adapted or converted to fit some other people's language and social needs."[21]

یعنی' تحریر کی ابتدا کے حوالے سے جدید تحقیق اس تصور کی نفی کرتی ہے کہ تحریر کسی ایک فرد یا تہذیب کی اچانک ایجاد تھی۔ Steven Roger مطابق تحریر نہ تو کسی ایک مقام پر یک لخت وجود میں آئی اور نہ ہی مختلف تہذیبوں میں آزادانہ طور پر از سرِ نو ایجاد ہوئی۔ ان کا کہنا ہے کہ دنیا کے تمام تحریری نظام دراصل پہلے سے موجود ابتدائی نمونوں یا نظاموں کی توسیع ہیں، جن میں انسانی گفتار کو گرافیاتی شکل دینے کا تصور، اس عمل کے طریقۂ کار اور استعمال ہونے والی علامات شامل ہیں۔ مختلف معاشروں نے ان عناصر کو مستعار لے کر اپنی لسانی ساخت اور سماجی ضروریات کے مطابق ڈھالا، جس کے نتیجے میں متنوع تحریری نظام وجود میں آئے۔ اس نقطۂ نظر سے تحریر کی تاریخ انفرادی ایجاد کے بجائے ثقافتی تسلسل، لسانی تطبیق اور بین التہذیبی تعامل کا مظہر معلوم ہوتی ہے، جو تحریر کے ارتقا کو ایک مشترکہ انسانی تجربہ قرار دیتا ہے۔ جیسے جیسے معاشرہ آگے بڑھ رہا تھا، ابلاغ کی تحریر شکل اب سانچوں میں ڈھل رہی تھی، یہاں تک کہ حروفِ تہجی ایجاد ہوگئے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حروفِ تہجی کس نے ایجاد کیے تاہم ان کا قدیم مسکن سامی النسل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ "سامی حروف سے ہی دنیا کے قدیم و جدید حروفِ تہجی ماخوذ ہیں۔ چنانچہ عبرانی، عربی، یونانی، رومن، روسی اور ہندوستانی رسوم خط کا اصل ماخذ یہی سامی حروف تھے۔"[22]

پہلا رسم الخط:

تصویری رسم الخط کے بعد سب سے قدیم یا پہلا رسم الخط 'میخنی خط' تھا۔ محققین کے مطابق، "اس کا استعمال تقریباً ۳۰۰۰ قبلِ مسیح سے شروع ہوا اور سنہ عیسوی کے آغاز تک جاری رہا۔ ایک زمانہ تھا جب وہ ایران سے لے کر ایشائے کوچک تک ہر جگہ مستعمل تھا اور اس نے بین الاقوامی حیثیت اختیار کرلی تھی، حتیٰ کہ فراعنہ مصر کا محکمہ خارجہ بھی اسی خط میں مراسلت کیا کرتا تھا۔"[23] Cuneiform Text And the Writing History کے مصنف Marc Van De Mieroof میخنی رسم الخط کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"The writing system invented or developed around 3000 BC was of a pictographic character; its signs were drawings. But quite soon it evolved into a script now called cuneiform, wedge-shaped writing, probably as a result of the materials used: upon a pillow-shaped tablet of moist clay signs were traced with a sharp reed stylus. It soon became clear that it was more convenient and faster to impress the stylus upon the clay surface thereby forming box-shaped characters rather than rounded ones. This evolution was completed by 2400 BC. The cuneiform signs were made up of straight lines, with a broader head where the, now blunt, stylus was pressed into the clay, which led to the wedge-shaped look. In later periods when inscriptions were carved on stone, these wedges were imitated by the stone-cutters, and they have become characteristic of the writing system."[24]

ترجمہ: 'تقریباً 3000 قبل مسیح کے آس پاس ایجاد یا ترقی پانے والا تحریری نظام تصویری نوعیت (pictographic) کا تھا، اس کی علامات تصویروں پر مشتمل تھیں۔ تاہم، بہت جلد یہ ایک ایسے رسم الخط میں تبدیل ہو گیا جسے آج میخی خط (Cuneiform) کہا جاتا ہے، یعنی پچر نما تحریر (چھوٹے مثلث نما نشانوں والی تحریر)۔ غالب امکان یہی ہے کہ یہ تبدیلی استعمال ہونے والے مواد کی وجہ سے آئی۔ نم مٹی کی گدی نما تختیوں پر نوکیلی سرکنڈے کی قلم (stylus) سے علامات کندہ کی جاتی تھیں۔ جلد ہی یہ واضح ہو گیا کہ مٹی کی سطح پر قلم کو دبا کر نشان بنانا زیادہ آسان اور تیز ہے، اور اس طرح گول شکلوں کی بجائے چوکور یا زاویہ دار علامات بنائی جانے لگیں۔ یہ ارتقائی عمل تقریباً 2400 قبل مسیح تک مکمل ہو گیا۔ میخی علامات بنیادی طور پر سیدھی لکیروں پر مشتمل تھیں، اور ان کے سروں پر اس وقت چوڑائی پیدا ہوتی تھی جب کند ہو چکی قلم کو مٹی میں دبایا جاتا تھا، جس کی وجہ سے یہ پچر نما شکل اختیار کر لیتی تھیں۔ بعد کے ادوار میں، جب نقوش پتھر پر کندہ کیے جانے لگے، تو سنگ تراشوں نے انہی پچروں کی نقل کی اور یہ شکل اس تحریری نظام کی نمایاں خصوصیت بن گئی۔' Marc Van De Mieroof کے مطابق، میخنی تحریر کو بنیادی طور پر معاشی لین دین کے مقصد کے طور پر استعمال کیا گیا تھا[25]۔ اب ابلاغ زبان کے بعد مکمل طور پر تحریر کی صورت میں شامل ہو گیا۔ یہیں سے ترسیل کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ Steven Roger کے مطابق

" With the spread of alphabetic writing in Greece, literacy became a vehicle for philosophy, law, history, and science."[26]

یعنی یونان حروفِ تہجی کے پھیلاؤ کے ساتھ خواندگی، فلسفہ، قانون، تاریخ اور سائنس کی ترسیل کا ذریعہ بن گئی۔ اسی یونانی تحریر نے اپنے فلاسفہ کے افکار کو نسل در نسل منتقل کر کے ایک علمی روایت کھڑی کی۔ بعد میں مختلف ابلاغ کے لیے مختلف اقوام نے مختلف رسم الخط ایجاد کیے جن میں: عبرانی، عربی اور دوسرے رسم الخط شامل تھے۔ اسی طرح عربی زبان کے مختلف خط ہمیں نظر آتے ہیں جن میں: خطِ کوفی اور خطِ ثلث وغیرہ آئے۔ ابلاغ کی مکمل تحریری رسم الخط کی صورتیں مختلف زمانوں کے تبدیل ہوتے ہوتے آج ہمارے پاس جدید ترین شکلوں کی صورت میں موجود ہیں۔ اب دنیا کے جتنے بھی رسم الخط ہیں اُن سب کا ایک بنیادی ڈھانچہ ہے، جس میں ایک فعل، ایک فاعل اور ایک مفعول ہے۔

3۔ اسلامی دور (Islamic Period)

اسلامی ابلاغ کا سنہرا دور نبی کریم ﷺ کی بعثت سے شروع ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے ابلاغ کے جو ذرائع استعمال کیے، اُن میں: زبانی(oral) ، تحریری(written) ، نمائندہ(representator) اور خطی(letter-based) ذرائع کو موثر اور اخلاقی انداز میں استعمال کیا۔ زبان اور رسم الخط پہلے سے موجود تھے۔ اگر عرب کی تاریخ کی طرف دیکھا جائے، تو روایات کے مطابق عربوں کا حافظہ بہت تیز تھا، جس کی وجہ سے وہ لکھنے کے بہ جائے یاد کرنے کو زیادہ ترجیح دیتے تھے، اسی وجہ سے وہ علم الانساب کے ماہر بھی تھی۔ تاہم، چند صحابہ کرامؓ ایسے بھی تھے جو لکھنے کے فن سے واقف تھے۔ عہدِ رسالت میں لکھائی کے حوالے سے دیکھا جائے تو "فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ نے ایک طویل خطبہ دیا۔ یمن کے ایک شخص (ابوشاہ) نے آکر عرض کی۔ اكتب لی یا رسول الله۔ میرے لیے یہ خطبہ لکھ دیجیے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا اكتبو لابی فلاں فلاں۔ فلاں اس شخص کے لیے خطبہ لکھ دو۔"[27] اسی طرح عہدِ رسالت کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ لوگ لکھنا جانتے تھے یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ، اللہ کے رسول ﷺ کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ کو سپردِ قرطاس کر لیا کرتے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ:" كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ أَسْمَعُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيدُ حِفْظَهُ، فَنَهَتْنِي قُرَيْشٌ، وَقَالُوا: أَتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا؟، فَأَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَوْمَأَ بِأُصْبُعِهِ إِلَى فِيهِ، فَقَالَ: اكْتُبْ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ[28] **ترجمہ: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں ہر اس حدیث کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا یاد رکھنے کے لیے لکھ لیتا، تو قریش کے لوگوں نے مجھے لکھنے سے منع کر دیا، اور کہا: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر سنی ہوئی بات کو لکھ لیتے ہو؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں، غصے اور خوشی دونوں حالتوں میں باتیں کرتے ہیں، تو میں نے لکھنا چھوڑ دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: لکھا کرو، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس سے حق بات کے سوا کچھ نہیں نکلتی۔**

اسی طرح ابن عبد البر نے اپنی کتاب 'جامع بیان العلم وفضلہ' میں لکھنے (تحریر) کے حوالے سے حضور ﷺ کا قول نقل کیا ہے کہ "قيدوا العلم بالكتاب[29]" علم کو کتاب میں لکھا کرو۔ ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لکھنے کا سلسلہ عہدِ رسالت میں

موجود تھا۔ لوگ باقاعدہ لکھنے کے فن سے واقف تھے۔ اس کی ایک اور مثال زمانۂ جاہلیت کا مشہور شعرا کا کلام 'سبعہ معلقات'[30] ہمارے پاس موجود ہیں۔

قرآنِ مجید خود ایک ایسا الہامی پیغام ہے جو آسمانی ابلاغ کی سب سے بڑی اور ابدی مثال ہے۔ قرآنِ مجید کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچایا جائے۔ اصلاً یہ کام رسالت مآب ﷺ نے اپنے خطبات، خطوط اور عملی زندگی کے ذریعے مکمل کر دیا تھا۔ بعد میں یہ فریضہ خلفائے راشدین نے سرانجام دیا جنہوں نے نہ صرف ابلاغِ دین کیا بلکہ عدل و انصاف، حکومت، اور معاشرتی نظم کو بھی ابلاغی ذرائع کے ذریعے عوام تک پہنچایا۔ فقہا، محدثین اور مفسرین نے بھی علمی، فقہی، اور فکری ابلاغ کو وسعت دی۔ مدارس، مساجد اور کتب کے ذریعے علم کی ترسیل اور نشر و اشاعت عمل میں آئی۔ بعد کے ادوار میں تصنیف و تالیف، درس و تدریس، اور وعظ و نصیحت جیسے ذرائع نے ابلاغ کے عمل کو مزید مضبوط بنایا۔ یہی تسلسل آج بھی ہماری ذمہ داری کی یاد دہانی کراتا ہے کہ ہم خدا کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچائیں، جہاں تک ابھی بھی یہ پیغام نہیں پہنچا۔

4۔ پرنٹنگ پریس کا دور (Printing Revolution)

1450ء میں گٹین برگ نے پرنٹنگ پریس ایجاد کیا۔ یہ ابلاغ کی دنیا میں سب سے بڑی تبدیلی تھی۔ اس کا نتیجہ بعد کے دور میں یہ نکلا کہ

- کتابیں، اخبارات اور رسائل وغیرہ جن کی کتابت آسانی نہیں تھی، اب آسانی سے چھپنے لگیں۔
- علم اور افکار کی ترسیل میں بے حد تیزی آئی۔
- یورپ میں نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) کا آغاز بھی اسی وجہ سے ممکن ہوا، کیونکہ علمی اور تحقیقی کام تحریر کی صورت میں عوام تک پہنچنے لگے۔

5۔ جدید دور (Modern Era)

19ویں اور 20ویں صدی میں ٹیلی گراف، ریڈیو، ٹیلی فون اور ٹی وی نے فاصلے سمیٹ دیے۔ جن میں:

ا۔ ٹیلی گراف:

"برقی پیغام رسانی کا سلسلہ سب سے پہلے ٹیلی گراف کی بدولت ہی شروع ہوا۔۔۔"[31] برقی پیغام رسانی کا آغاز انسانی تاریخ میں مواصلات کے سفر میں ایک اہم موڑ تھا۔ اس سلسلے نے پیغامات کو دور دراز علاقوں تک فوری طور پر پہنچانے کی سہولت فراہم کی۔ ٹیلی گراف نے الیکٹریکل سگنلز کے ذریعے متن یا معلومات کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک منتقل کرنے کا طریقہ وضع کیا۔ اس سے قبل پیغام رسانی کے لیے خط، قاصد یا براہِ راست سفر جیسا کہ تاریخ میں آتا ہے کہ گھوڑوں کے ذریعے پیغام پہنچایا جاتا تھا، جو وقت طلب اور غیر موثر طریقہ تھا۔ ٹیلی گراف کے ذریعے پیغامات منٹوں میں منتقل کیے جا سکتے تھے، جس سے تجارتی، فوجی اور سماجی رابطے تیز اور مستحکم ہوئے۔ ٹیلی گراف نے مواصلات کی رفتار اور درستگی میں انقلاب برپا کیا۔ اس کی بدولت لوگ نہ صرف اپنی روزمرہ ضروریات کے لیے بلکہ بین الاقوامی رابطوں میں بھی موثر طریقے سے بات چیت کرنے لگے۔ ٹیلی گراف کی بنیاد پر ہی بعد میں ٹیلی فون، فیکس، اور جدید انٹرنیٹ اور موبائل کمیونیکیشن کے نظام وجود میں آئے۔ اس کے ذریعے یہ ثابت ہوا کہ ٹیکنالوجی نے انسانی زندگی میں رابطے اور معلومات کے تبادلے کے عمل کو بہت آسان اور فوری بنایا ہے۔

یوں ٹیلی گراف برقی پیغام رسانی کا پہلا قدم تھا، جس نے مواصلاتی انقلاب کی بنیاد رکھی اور دنیا کو قریب لانے میں اہم کردار ادا کیا۔ آج ہم جو فوری طور پر بین الاقوامی رابطے دیکھتے ہیں، ان کی بنیاد اسی ٹیلی گراف کی ایجاد سے جڑی ہوئی ہے۔اس کی ایجاد کے حوالے سے ڈاکٹر سید سلیمان اختر لکھتے ہیں:

> "اٹھارھویں صدی کے آخری دہائی میں اطالوی سائنسدان Allesandro Volta نے برقی لہر فراہم کرنے والا برقی کیمیاوی خلیہ Electrochemical Cell دریافت کیا۔ 1820 میں ڈنمارک کے ایک ماہرِ طبعیات Han Christian Oersted نے دریافت کیا کہ برقی لہر مقناطیسی سوئی کو متحرک کر سکتی ہے۔یہی اصول ٹیلی گراف کی ایجاد کی بنیاد بنا۔ اس سلسلے میں مزید پیش رفت اس وقت ہوئی جب برطانوی مستری William Sturgeon نے 1852 میں برقی مقناطیس (Electromagnet) دریافت کیا۔ بعد ازاں تین افراد کی کاوشوں کے صلے میں مذکورہ دریافتوں کی بنیاد پر ٹیلی گراف ایجاد ہوئی ---یہ افراد تھے ماہرینِ طبعیات William F. Cook اور Charles Wheatstone۔ یہ دونوں برطانیہ میں اس سلسلے میں ایک ساتھ مصروفِ کار تھے۔ تیسرے صاحب تھے امریکی مصور اور موجد FB. Morse۔"[32]

۲۔ریڈیو:

۱۸۶۴ کی دہائی میں جیمز کلرک میکسویل نے برقی مقناطیسی لہروں (Electromagnetic Waves) کے وجود کا نظریہ پیش کیا بعد میں "اٹلی کے مارکونی کو اس وقت تک کی ایجادات کی بکھری کڑیوں کو یکجا کرنے اور ان میں مفید اضافہ کرنے والوں کے طور پر تسلیم کیا ہے---اسی طرح اینڈریو کریسل (Andrew Crissell) نے نشریات کا باقاعدہ آغاز جیمس فورڈ کے اس نشریے کو قرار دیا ہے جس میں ڈیم نیلی میلبا (Dame Nelie Melba) کی آواز انگلینڈ، فرانس، اٹلی، شمالی امریکہ اور یورپ کے دیگر ممالک میں پہلی مرتبہ ایک ساتھ گونجی۔ یہ نشریہ ۱۵ جون / ۱۹۲۰ مارکونی وائرلیس کمپنی نے مشہور زمانہ ڈیلی میل (Daily Mail) مالی تعاون سے نشر کیا۔"[33]

۳۔ ٹیلی فون:

ابتدائی زمانے میں پیغام رسانی کے لیے خط و کتابت کا سہارا لیا جاتا تھا، جو ڈاک کے ذریعے منزل تک پہنچایا جاتا تھا۔ لیکن چوں کہ علم ایک جامد شے نہیں بلکہ ارتقائی عمل کا نام ہے، اس لیے انسان مسلسل غور و فکر اور تحقیق کے ذریعے نئے امکانات تلاش کرتا رہا۔ انسان نے یہ سوچا کہ ایسا ذریعہ ایجاد کیا جائے جس کے ذریعے ایک مقام پر بیٹھ کر دوسرے مقام پر براہِ راست بات چیت ممکن ہو سکے۔ یہی خیال ایک نئے سائنسی زاویے کا سبب بنا اور مسلسل محنت و تجربات کے بعد بالآخر سر الیگزینڈر گراہم بیل نے ۱۰ مارچ سن ۱۸۷۶ میں ٹیلی فون ایجاد کیا، جس نے پیغام رسانی کے ذرائع میں انقلابی تبدیلی پیدا کر دی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا لوگ دور بیٹھے ہوئے بھی لمحوں میں آپس میں بات چیت کر سکتے تھے، جس سے وقت اور محنت دونوں کی بچت ہوئی۔

۴۔ ٹیلی ویژن

انسان نے جب یہ محسوس کیا کہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک بیٹھے بیٹھے آواز کے ذریعے رابطہ ممکن ہو گیا ہے، تو اس کی جستجو نے ایک اور سوال کو جنم دیا: کیا ایسا ذریعہ ایجاد نہیں کیا جا سکتا جس کے ذریعے انسان کی آواز کے ساتھ اس کا چہرہ اور صورت بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ دکھائی جا سکے؟

یہی سوچ آگے بڑھتی گئی اور سائنسی تحقیق و تجربات کے نتیجے میں ٹیلی ویژن کی ایجاد عمل میں آئی، جس نے ذرائع ابلاغ میں ایک نیا انقلابی باب رقم کیا اور دنیا کو دیکھنے اور جاننے کے نئے امکانات فراہم کیے۔ ٹیلی ویژن کا باقاعدہ آغاز "۱۹۳۶ء میں بی بی سی لندن نے کیا[34]"

6۔ ڈیجیٹل دور (Digital Era)

21 ویں صدی نے ابلاغ کا ایک بالکل نیا اور انقلابی دور کھول دیا ہے۔ کچھ عرصہ قبل جن چیزوں کو محض خواب و خیال سمجھا جاتا تھا، آج وہ حقیقت کا روپ دھار چکی ہیں۔ اب انسان جو کبھی صرف سوچتا تھا، وہ عملی طور پر ممکن ہو رہا ہے۔ سوشل میڈیا کے مختلف پلیٹ فارمز جیسے فیس بک، ایکس (سابقہ ٹوئٹر)، **انسٹاگرام**، یوٹیوب وغیرہ نے پوری دنیا کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے۔ لاکھوں میل دور کی خبریں اور معلومات اب سیکنڈوں میں دنیا کے کونے کونے تک پہنچ جاتی ہیں۔

مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence (AI)) کا کردار:

ابلاغ کے اس جدید دور میں مصنوعی ذہانت (AI) نے انقلابی تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ اب مشینیں نہ صرف انسانوں کی بات سمجھتی ہیں بلکہ خود بھی فیصلے کرنے اور مواد تخلیق کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ چیٹ بوٹس، خودکار ترجمہ، آواز کو متن میں بدلنے کے سافٹ ویئر، اور ورچوئل اسسٹنٹس جیسے ٹولز نے ابلاغ کو نہایت تیز، مؤثر اور ذاتی نوعیت کا بنا دیا ہے۔ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر AI الگورتھمز یہ طے کرتے ہیں کہ کون سا مواد کس صارف تک پہنچے، جبکہ صحافت اور تعلیم میں AI کے ذریعے خودکار خبریں لکھنا، تحقیق کے لیے ڈیٹا تجزیہ، اور آن لائن تدریس عام ہو چکی ہے۔ تاہم، اس کے ساتھ خطرات بھی ہیں، جیسے ڈیپ فیک ویڈیوز، غلط معلومات کی بڑے پیمانے پر ترسیل، اور انسانی ملازمتوں کی کمی۔ اس لیے AI کو استعمال کرتے وقت اخلاقی اصولوں کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے تاکہ یہ ٹیکنالوجی انسانیت کے فائدے کے لیے استعمال ہو، نقصان کے لیے نہیں۔

سیرتِ طیبہ اور ابلاغ:

اسلامی تعلیمات میں ابلاغ کو ایک مقدس اور ذمہ دارانہ فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید نے انبیاء علیہم السلام کے بعثت کے بنیادی مقاصد میں 'ابلاغِ حق[35]' کو نمایاں طور پر بیان کیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی پوری حیاتِ طیبہ دراصل ابلاغِ دین اور پیغامِ الٰہی کو دنیا تک پہنچانے کی جدوجہد کا عملی نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے نہ صرف اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا بلکہ ابلاغ کے ایسے آفاقی اور ہمہ گیر اصول متعارف کرائے جو ہر دور کے لیے رہنما حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ محض ایک تاریخی تذکرہ نہیں بلکہ ایک ابلاغی منشور ہے جو یہ بتاتا ہے کہ کس طرح پیغام کو حالات، ضروریات اور مخاطب کے مزاج کے مطابق پیش کیا جائے تاکہ وہ مؤثر، دیرپا اور نتیجہ خیز ہو۔

ابلاغ کے عمل کو مؤثر بنانے کے لیے دو بنیادی اجزاء لازمی ہیں: ایک پیغام (Message)، اور دوسرا، اس کے پہنچانے کا طریقہ (Medium and Strategy)۔ نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہر مرحلے پر ان دونوں پہلوؤں کو نہایت حکمت و بصیرت کے ساتھ بروئے کار لائے۔ اس بات کا ادراک اس وقت مزید گہرا ہو جاتا ہے جب ہم سیرت کے مختلف واقعات کو محض تاریخی قصوں کے طور پر بیان کرنے کے بجائے ان کے ابلاغی پہلوؤں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سیرت اور ابلاغی اصولوں کا تعلق:

ابلاغ کے بنیادی اصولوں میں: صداقت، حکمت، نرمی، تحمل، موقع و محل کی پہچان اور سامعین کے مزاج کو مدنظر رکھنا، یہ سب ہمیں سیرتِ نبوی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے مختلف مراحل میں واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ہر موقع پر اپنے پیغام کو نہ صرف واضح اور صاف گوئی کے ساتھ پیش کیا بلکہ اس میں حکمت کا عنصر بھی شامل رکھا۔ قرآن مجید نے اس اندازِ ابلاغ کو ان الفاظ میں بیان کیا: "اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔"[36] ترجمہ، اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے ایسے طریقے سے بحث کرو جو بہترین ہو۔ یہ آیت ہمیں یہ اصول سکھاتی ہے کہ ابلاغ میں صرف پیغام کا درست ہونا کافی نہیں بلکہ اسے پیش کرنے کا انداز بھی اہم ہے۔ نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اس آیت کی عملی تفسیر پیش کی ہے۔ یہاں ابلاغی اصولوں کو سیرتِ طیبہ سے سمجھتے ہیں۔

1۔ 'الصادق اور الامین' کا لقب:

نبوت سے پہلے قریش آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو 'الصادق (سچ بولنے والا) اور الامین (امانت دار)[37]' کہتے تھے۔ معروف سیرت نگار، قاضی سلیمان منصور پوری نبوت سے پہلے واقعات جیسے کہ 'حلف الفضول' وغیرہ اور دوسرے معاملات میں رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے اخلاق اور ایمان داری سے متعلق لکھتے ہیں:

> "ایسے ہی نیک کاموں کی وجہ سے ان دنوں میں لوگوں کے دلوں پر آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی نیکی اور بزرگی کا اتنا اثر تھا کہ وہ آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو نام لے کر نہیں پکارتے تھے بلکہ 'الصادق' یا 'الامین' کہہ کر پکارتے تھے۔۔۔ جب حجرِ اسود قائم کرنے کا موقع آیا تو سخت اختلاف ہوا۔۔۔ آخر ابو امیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے بڑھ کر سب سے بڑی عمر کا تھا، یہ رائے دی کہ کسی کو حَکَم بنا کر اس کے فیصلے پر عمل کریں۔ اس رائے کو مانا گیا اور قرار دیا گیا کہ جو کوئی اب سب سے پہلے حرم میں آئے گا وہی سب کا حَکَم سمجھا جائے گا۔ اتفاقاً آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تشریف لے آئے۔ آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو دیکھنا تھا کہ ھذا الامین رضیناہ کے نعرے لگ گئے (امین آگیا، ہم اس کے فیصلے پر سب رضامند ہیں)۔"[38]

واقعے کی رو سے ابلاغی اصول:

- بات پہنچانے والا خود سچا اور معتبر ہو۔
- ابلاغ میں جھوٹ یا مبالغہ شامل نہ ہو۔

2۔ کوہِ صفا پر دلائل پر مبنی ابلاغ:

باریٔ تعالیٰ نے جب اعلانیہ تبلیغ[39] کا حکم دیا، تو رسالت مآب ﷺ نے پہلی مرتبہ صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر سب کو جمع کیا۔ اگر چہ قریش نے اعلانیہ تبلیغ کو نہیں مانا، لیکن جب آپ ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا، تو اس موقع پر اہلِ قریش نے کہا "ہم نے کوئی غلط بات یا بیہودہ تیرے منہ سے نہیں سنی، ہم یقین کرتے ہیں صادق اور امین ہے[40]" اور پھر جو پیغام دیا اس کا ملخص کچھ یوں ہے۔" آپ ﷺ نے پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ میں تمھیں سخت عذاب سے پہلے خبردار کرنے آیا ہوں۔۔۔[41]" پھر مخالفت شروع ہوگئی، یہاں تک کہ مخالفت ایک عرصے تک جاری رہی۔

3۔ طائف کا واقعہ (بردباری اور دعا) ابلاغ کا ایک اخلاقی پہلو:

طائف کا واقعہ آپ کے علم میں ہے، یعنی جب آپ طائف پہنچے اور دعوتی مہم طائف کے تین چوٹی کے سردار جو کہ سگے بھائی (عبد یا لیل بن عمرو، مسعود بن عمرو اور حبیب بن عمرو) تھے، ان سے شروع کی۔ یہاں سب نے مخالفت کی۔ صاحبِ ضیاء النبی، پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

> "حضور ﷺ کو یہ توقع تھی کہ اہلِ مکہ نے ازراہِ تعصب اگر اس سچی دعوت کو قبول نہیں کیا، لیکن اہلِ طائف کا رویہ ایسا معاندانہ نہ ہوگا، وہ اسے قبول کرنے میں تامل سے کام نہیں لیں گے۔ لیکن یہاں تو سارا آوا کا آوا ہی بگڑا ہوا تھا۔ کسی نے شائستگی سے جواب دینے کی زحمت تک گوارا نہیں کی۔۔۔۔ انھوں نے شہر کے اوباشوں اور نوخیز چھوکروں کو نبی ﷺ کے پیچھے لگا دیا، وہ جلوس کی شکل میں اکھٹے ہو گئے اور حضور ﷺ کا تعاقب شروع کر دیا، آواز کستے، پھبتیاں اڑاتے، وشنام طرازی کرتے۔۔۔۔ جب حضور ﷺ ان کے پاس سے گزرے تو انھوں نے پتھر برسانے شروع کر دیا۔۔۔ یہاں تک کہ ان ظالموں کی سنگ باری سے مبارک قدم زخمی ہو گئے اور خون بہنا شروع ہو گیا۔"[42]

اس موقع پر آپ ﷺ نے جو دعا فرمائی وہ بھی امتِ انسانی کے لیے ایک مثال ہے:

> "(ترجمہ) ۔۔۔ میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے نور کے ساتھ جس سے تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دنیا اور آخرت کے کام سنور جاتے ہیں کہ تو نازل کرے اپنا غضب مجھ پر اور تو اتارے مجھ پر اپنی ناراضی۔ میں تیری رضا طلب کرتا رہوں گا یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے۔ تیری ذات کے بغیر میرے پاس نہ طاقت ہے نہ قوت۔"[43]

پہاڑوں کے فرشتے نے جب یہ دیکھا تو آپ ﷺ عرض کی کہ حکم دیں تو میں پہاڑوں کو ان پر اوندھا گرادوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا(ترجمہ):

"پہاڑوں کے فرشتے! صبر کرو شائد ان کی اولاد میں سے کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں
جو لا الہ الا اللہ پر ایمان لائیں۔۔۔"[44]

اس پورے واقعے کو پڑھنے کے بعد مختلف جہات نکالی جاسکتی ہیں، لیکن چوں کہ ہمارا موضوع صرف ابلاغ ہے، تو اس واقعے سے جو ابلاغی اصول اخذ کیے جاسکتے ہیں، وہ ہیں:

- جذبات پر قابو رکھا جائے،
- احسن طریقے سے مجادلہ کیا جائے،
- اصولی بات کہی جائے،
- منفی ردعمل کے باوجود خیر خواہی کا مظاہرہ کیا جائے،
- بہتری کی امید رکھی جائے،
- امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے،
- جذبات پر قابو رکھنا،
- اگر سچ کو نہ سنا جائے، تو پھر اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔

4۔ صلح حدیبیہ (حکمت اور معاملہ فہمی کا عالمی ابلاغی اصول)

سنہ چھے ہجری کا مشہور واقعہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے عمرے کا قصد فرمایا، تو حدیبیہ کے مقام پر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کو روک لیا گیا۔ قریش نہیں چاہتے تھے کہ آپ ﷺ مکہ تشریف لائیں۔ اس موقع پر آپ ﷺ کی معاملہ فہمی، حکمتِ عملی پر موٴرخین بھی انگشت بدنداں ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کی جماعت، مالی اور سماجی اور عسکری لحاظ سے قریشِ مکہ سے کہیں اوپر تھی، اس کے باوجود آپ ﷺ نے اہلِ قریش سے ایک معاہدہ کیا، جو بہ ظاہر قریش کے حق میں جارہا تھا:

"مسلمان اس سال واپس چلے جائیں،
اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں،
ہتھیار لگا کر نہ آئیں، صرف تلوار ساتھ لائیں، وہ بھی نیام میں اور نیام بھی جلبّان میں،
کافروں یا مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے، لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں آجائے، تو واپس نہیں کیا جائے گا۔"[45]

بہ ظاہر یہ تمام شقیں مسلمانوں کے خلاف جارہی تھیں، لیکن آپ ﷺ نے امن کے خاطر ان شرائط کو قبول کیا۔ تاہم، دو سال بعد ہی معاہدے کی خلاف ورزی قریش کی طرف سے ہوئی اور مکہ 'فتح' ہو گیا تھا۔ اس واقعے سے جنگی اصولوں کے ساتھ جو ابلاغی اصول نکلتے ہیں، اُن میں:

- انسانیت کو پیشِ نظر رکھا جائے،
- ضد کے بجائے حکمتِ عملی سے کام کیا جائے،

- مقصد کو پیشِ نظر رکھا جائے،
- اختیارات ہونے کے باوجود اختیارات پر قابو رکھا جائے۔

5۔ فتح مکہ (عام معافی)

آٹھ ہجری کو مکہ فتح ہونے کے بعد آپ ﷺ نے ان سب کو معاف کر دیا جنھوں نے آپ ﷺ پر ایک عرصے تک ظلم کیا تھا اور آپ ﷺ کی ذات سے جُڑے ہر شخص کو تکلیفیں دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے فرمایا کہ ترجمہ، "جاؤں تم آزاد ہو اور تم پر آج کوئی مواخذہ نہیں"[46]۔

اس عظیم فتح کے بعد جو ابلاغی اصول نظر آئے، اُن میں:

- اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا جائے،
- قطع تعلق سے بچا جائے،
- طاقت کے باوجود حلم والا رویہ اختیار جائے۔

6۔ اہل کتاب سے مکالمہ (مشترکات اور دلائل):

قرآنِ مجید نے یہود و نصاریٰ سے مکالمہ کے ضمن میں ایک عالمی اصول بیان کیا ہے کہ "وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ"[47] ان سے بہترین طریقے سے بحث کرو۔ اسی طرح اہلِ کتاب سے متعلق ایک عالمی اصول بھی بیان کر دیا کہ مشترکات پر بات کی جائے جیسے کہ ارشاد ہوتا ہے: "قُلْ یٰۤاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ۔"[48] اے اہلِ کتاب! ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ ان دو آیات سے جو ابلاغی اصول نکلتے ہیں، اُن میں:

- ہمیشہ احسن طریقہ اپنایا جائے،
- مشترکات پر بات کی جائے،
- دلیل سے بات کی جائے،
- ہر حال میں سچ اور حق ہی بولا جائے۔

7۔ منافقین سے مکالمہ (حکمت و احتیاط)

منافقین کو نبی ﷺ پہچانتے تھے، قرآنِ مجید میں مختلف مقامات پر منافقین کا چہرہ دکھایا گیا ہے، جیسے کہ سورۃ المنافقون کو ہی دیکھ لیا جائے۔ یہاں ان کے کچھ خصائل بیان کیے جاتے ہیں: "اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ۔"[49] ترجمہ، منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں، برائی کا حکم دیتے ہیں (یعنی لوگوں کو برائی پر اکساتے اور آمادہ کرتے ہیں) اور بھلائی سے روکتے ہیں (یعنی نیکی سے لوگوں کو متنفر کرتے ہیں)۔ "فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْۤا اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا یَفْقَهُوْنَ۔"[50] ترجمہ، اسی طرح مگر ان کا پردہ رکھا، تاکہ انتشار نہ پھیلے۔ خود بھی رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہنے پر خوش ہوئے اور اُنھوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کو ناپسند کیا (اور انھوں نے لوگوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے) کہا: شدت کی گرمی میں نہ نکلو انہیں کہہ دو جہنم کی آگ بڑی گرم ہے کاش یہ سمجھتے۔ اسی طرح رسول اللہ کے حوالے سے جھوٹی گواہی دینے سے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ۔[51]"ترجمہ، جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ آپ یقیناً اس کے رسول ہیں، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں۔ اگرچہ یہ آیات ان منافقین سے متعلق تھیں، جو براہِ راست رسالت مآب ﷺ کے سامنے موجود تھے، تاہم، اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ سکھادیا کہ منافقانہ رویے تا قیامت رہیں گے۔ ان منافقانہ رویوں سے جو ابلاغی اصول نکلتے ہیں، وہ کچھ یوں ہیں:

- فتنے سے اجتناب برتا جائے،
- حساس معلومات میں احتیاط برتی جائے،
- باطنی خباثت کے باوجود ظاہری تعلقات قائم رکھا جائے،
- جھوٹ کی نشان دہی حکمت کے ساتھ کی جائے،
- اخلاقی برتری کے ساتھ مکالمہ کیا جائے،
- اندرونی صف بندی کو مضبوط کیا جائے۔

خلاصہ کلام:

سیرتِ طیبہ ﷺ کے مطالعے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ابلاغ محض معلومات کی ترسیل نہیں بلکہ ایک ایسا بامقصد، اخلاقی اور ذمہ دارانہ عمل ہے جو انسانوں کے قلوب و اذہان کو بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے اسالیبِ ابلاغ سے یہ واضح کیا کہ پیغام کے اثر کا انحصار صرف الفاظ پر نہیں بلکہ کردار کی سچائی، نیت کے اخلاص اور اندازِ بیان کی حکمت پر ہے۔ آپ ﷺ کا ابلاغ ہر سطح پر خواہ وہ قریش کے جاہ و جلال والے سردار ہوں یا معاشرتی طور پر پسے ہوئے طبقات، اہلِ کتاب ہوں یا داخلی انتشار پیدا کرنے والے منافقین، مخاطب کی ذہنی و سماجی کیفیت کے عین مطابق تھا۔ اس سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ کامیاب ابلاغ وہی ہے جو سامع کی ضروریات اور حالات کے مطابق ڈھل جائے اور خیر خواہی پر قائم ہو۔ مزید برآں، سیرتِ طیبہ ﷺ کا مطالعہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ ابلاغ کے ہر مرحلے پر سچائی اور امانت کو بنیاد بنانا، اختلافات میں حلم اور حکمت اختیار کرنا، طاقت کے وقت بھی عفو و درگزر کو مقدم رکھنا، اور ہر حال میں خیر خواہی کا رویہ اپنانا وہ سنہری اصول ہیں جو دلوں کو جیتنے اور معاشروں کو بدلنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ یہی وہ ابلاغی ماڈل ہے جس نے نبی رحمت ﷺ کے ہاتھوں ایک منتشر معاشرے کو متحد امت میں بدلا اور جس کی معنویت ہر دور اور ہر معاشرے میں برقرار رہے گی۔

حوالہ جات

[1] ۔سید سلیمان اختر، ڈاکٹر، الیکٹرونک میڈیا کی تاریخ، کتابی دنیا، دہلی، ۲۰۱۰ء، ص،۸۔

[2] ۔القرآن، ۲:۳۰

[3] القرآن، ۲:۳۸۔

[4] ملاحظہ ہو سورۃ الروم کی آیت نمبر ۳۰: وَمِن ◌ اٰیٰتِہٖ خَل ◌ قُ السَّمٰوٰتِ وَال ◌ اَر ◌ ضِ وَاخ ◌ تِلَافُ اَل ◌ سِنَتِکُم ◌ وَاَل ◌ وَانِکُم ◌ ◌ اِنَّ فِی ◌ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّل ◌ عٰلِمِی ◌ نَ۔

[5] صدیقی خلیل، زبان کیا ہے، عاکف بک ڈپو، مٹیالہ محل دہلی، ۱۹۹۴ء۔ ص، ۱۴۔

6 ایضاً، ص،۱۴۔

7 ایضاً، ص،۱۴۔

8 ایضاً، ص،۱۵۔

9 ایضاً، ص،۱۵۔

10 Crystel, 2010, *A Little Book of Language*. New Haven & London: Yale University Press P.94.

11 Crystel, 2010 *A Little Book of Language*. New Haven & London: Yale University Press, P.94.

12 https://www.bbc.com/urdu/vert-cap-48763120

13 صدیقی، محمد اسحاق، فن تحریر کی تاریخ، نوید بک اسکوائر، اردو بازار، کراچی، ۱۹۶۲، ص،۳۶۔

14 صدیقی، محمد اسحاق، فن تحریر کی تاریخ، نوید بک اسکوائر، اردو بازار، کراچی، ۱۹۶۲، ص،۳۷۔

15 ۔ بابل کے قدیم آثار میں مخروطی نشانات پر مبنی تحریر سے متعلق جو عموماً مٹی کی لوحوں پر نقش کی ہوئی ملی ہیں۔

16 - حسن نظامی، خواجہ، تاریخِ فرعون، یو پبلشرز، حق سٹریٹ اردو بازار، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص،۱۵۲۔

17 ۔ مہدی حسن، جدید ابلاغیات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۰، ص ۲۱۔

18 ۔ شاہد محمد حسین، ڈاکٹر، ابلاغیات، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶، ۲۰۰۶ء، ص، ۲۴ تا ۲۹۔

19 صدیقی، محمد اسحاق، فن تحریر کی تاریخ، نوید بک اسکوائر، اردو بازار، کراچی، س ن، ص، ۴۰، ۴۱۔

20 کلاسیکل دور سے مراد تاریخ کا وہ زمانہ ہے جس میں قدیم یونان اور قدیم روم کی تہذیبیں اپنے عروج پر تھیں اور جنہوں نے بعد کی مغربی تہذیب، علم، ادب، فلسفہ، سیاست اور فنون پر گہرا اثر ڈالا۔

21 Fischer, Steven Roger. *A History of Writing*. Reaktion Books, 2001, p. 12

22 صدیقی، محمد اسحاق، فن تحریر کی تاریخ، نوید بک اسکوائر، اردو بازار، کراچی، س ن، ص، ۱۵۳۔

23 صدیقی، محمد اسحاق، فن تحریر کی تاریخ، نوید بک اسکوائر، اردو بازار، کراچی، س ن، ص، ۷۶۔

24 Van De Mieroop, Marc. *Cuneiform Texts and the Writing of History*. Routledge,1999, p. 105

25 Van De Mieroop, Marc. *Cuneiform Texts and the Writing of History*. Routledge,1999, p. 105

26 Fischer, Steven Roger. *A History of Writing*. Reaktion Books, 2001, p. 90

[27] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاریؒ، الجامع الصحیح (صحیح بخاری)، مترجم، مولانا محمد داؤد رازؒ، کتاب العلم، مرکزِ اہلِ حدیث ہند، ۲۰۰۴، ۱/۲۷۸، حدیث نمبر ۱۱۲۔

[28] امام سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، مترجم، ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی، کتابۃ العلم، مجلسِ علمی دارالدعوۃ، دہلی، س ن، ۳/۹۰۱، حدیث نمبر ۳۶۴۶۔

[29] حافظ ابو عمر یوسف بن محمد بن ابن عبد البر قرطبی مالکی، جامع بیان العلم وفضلہ، الجزء الاول، باب، ذکر الرخصۃ فی کتاب العلم، دارِ ابن جوزی، س ن، ص، ۳۰۵

[30] سبعہ معلقات عرب کے سات مشہور و ممتاز شعراء کے منتخب قصائد کا وہ مجموعہ ہے، جو جاہلی دور میں اپنی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے شہرتِ عام حاصل کر گئے اور کہا جاتا ہے کہ ان قصائد کو خانہ کعبہ کی دیوار پر لٹکایا گیا تھا۔ اسی وجہ سے 'معلقات' کہلائے۔

[31] سید سلیمان اختر، ڈاکٹر، الیکٹرونک میڈیا کی تاریخ، کتابی دنیا، دہلی، ۲۰۱۰، ص، ۱۶۔

[32] سید سلیمان اختر، ڈاکٹر، الیکٹرونک میڈیا کی تاریخ، کتابی دنیا، دہلی، ۲۰۱۰، ص، ۱۸۔

[33] شاداب، زبیر، ریڈیو نشریات، تاریخ، اصناف اور پیشکش، ایجوکیشن بک ہاؤس علی گڑھ، ص، ۱۰۔

[34] شاداب، زبیر، ریڈیو، ٹیلی ویژن، تاریخ، اصناف اور تکنیک، براؤن پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۲۲ء، ص، ۳۲۲۔

[35] ملاحضہ ہو، القرآن، ۴، ۶۷

[36] القرآن، ۱۶:۱۲۵

[37] مبارک پوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، المکتبۃ السلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور، س ن، ص، ۹۳۔

[38] سلیمان منصور پوری، قاضی، رحمۃ للعالمین، شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی، س ن، ۱/۴۴

[39] القرآن: ۲۶:۲۱۶

[40] سلیمان منصور پوری، قاضی، رحمۃ للعالمین، شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی، س ن، ۱/۵۴

[41]۔ مبارک پوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، المکتبۃ السلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور، س ن، ص، ۹۳۔

[42] محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء النبی ﷺ، گنج بخش روڈ، لاہور، س ن، ۱/۴۴۳۔

[43] محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء النبی ﷺ، گنج بخش روڈ، لاہور، س ن، ۱/۴۴۴۔

[44] محمد کرام شاہ الازہری، پیر، ضیاء النبی ﷺ، گنج بخش روڈ، لاہور، س ن، ۱/۴۴۵۔

[45] شبلی نعمانی، علامہ، سیرت النبی، معارف دارالمصنفین اعظم گڑھ، طبع ہشتم، ۱۹۷۴، ۱/۴۵۵، ۴۵۶۔

[46] سلیمان منصور پوری، قاضی، رحمۃ للعالمین، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لیمیٹڈ پبلشرز، کراچی، س ن، ۱/۱۲۰۔

[47]۔ القرآن، ۱۶:۱۲۵

[48]۔ القرآن، ۳:۶۴

[49]۔ القرآن، ۹:۶۸، ۶۷

[50] ۔ القرآن، ۹:۸۱

[51] ۔ القرآن، ۱:۶۳